بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاکٹر نثار احمد☆

جاہلیت

﴿لغوی معنی، قرآنی اصطلاحی مفہوم، تعریف، اطلاقات﴾

یہ بات جتنی مشہور ہے اتنی ہی صحیح بھی ہے کہ نبیٔ آخر الزمان، رہبر دو جہاں، رسولِ اعظم و آخر، ہادیٔ برحق، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم (۶۱۰ء میں) مبعوث ہوئے اس وقت ساری دنیا جاہلیت کی لپیٹ میں تھی اور دنیا کا وہ خطہ تو خاص طور پر جہالت کے اندھیروں میں گھرا ہوا تھا جسے عرب کہتے ہیں اور جس کے افق پر ''مہر و ماہِ رسالت'' نے طلوع ہو کر سارے جہاں کو روشن و منور کر دیا۔

تاریخی اور واقعاتی نقطۂ نظر سے دورِ جاہلیت دراصل بعثت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا زمانہ ہے۔(۱) (جسے بالعموم دور عرب قبل از اسلام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی کو دور فترت بھی کہتے ہیں) اور اس کا خاتمہ آنحضور ﷺ کی داعیانہ کوششوں، مبلغانہ جدو جہد اور ملکی تدبیر و انتظام سے فتح مکہ پر ۸ ہجری میں اس طرح ہوا کہ جاہلیت کا نام و نشان مٹ گیا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مطہرہ کا مقصد ہی یہ تھا کہ آں جناب جاہلیت کا ہر نقش مٹا کر علم و آگہی کا نور اور حق و صداقت کا شعور یعنی اسلام کا پرچم بلند فرمائیں۔

یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ ''جاہلیت'' کیا ہے، جسے مٹانے کے لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی اور دنیا ''اسلام'' کے نور سے منور ہوگئی۔

جاہلیت، عام تاثر، عوامی مفہوم:

جاہلیۃ، کا لفظ (عربی زبان میں) جیسا کہ عام طور پر معلوم و مشہور ہے ''جہل'' سے بنا ہے۔

☆ سابق رئیس کلیہ فنون و صدر شعبہ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی

جس کے معانی میں اگر چہ نادانی، ناواقفیت، ناسمجھی، کم علمی شامل ہے۔ (۲) تاہم اردو زبان میں یہ لفظ (جہل) علم کے مقابل کثرت سے استعمال ہونے کے سبب محض ''ان پڑھ'' یا ''نوشت وخواند سے بے بہرہ'' ہونے تک محدود سمجھا گیا ہے۔ (۳) اور پھر بطور تقاضا ایک عوامی مفہوم سرزمین عرب (قبل اسلام) کے حوالے سے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہوئی، متعین کرلیا گیا، جس کی تائید بعض مؤلفوں کے بیانات سے بھی ہوئی اور یوں ایک عمومی تاثر یہ قائم ہوا کہ ساکنان عرب ان پڑھ، جاہل، علم و دانش سے کورے، تعقل وتفکر سے عاری، تہذیب وتمدن سے نا آشنا، اجڈ، وحشی، صحرائی، جنگلی تھے، انہیں رہن سہن کا ڈھنگ نہ آتا تھا، ان میں کوئی سیاسی وسماجی شعور نہ پایا جاتا تھا، معاش ومعاد کی باتیں ان کی سمجھ سے بالاتر تھیں، زندگی گذارنے کا سلیقہ وہ نہیں جانتے تھے، ہاں خوں خواری و درندگی کی صفات، عدم برداشت، قتل وغارت گری کی عادات ان کے ہاں صدیوں سے راسخ چلی آتی تھیں، لوٹ مار رہزنی ان کا پیشہ اور بغض وانتقام ان کا طریقہ تھا، زندگی کی اعلیٰ اقدار گنی چنی جانتے تھے، صرف مادی ظاہری فائدے کے قائل تھے، مذہبیت اور روحانیت ان کے نزدیک یہی تھی کہ ہر شجر وحجر کے آگے جھک جائیں، مظاہر فطرت کی طاقت وقدرت سے مرعوب ہوکر ان ہی کو حاجت روا مانیں، بتوں کے آگے سجدہ ریز ہوکر ہدیۂ نذر و نیاز پیش کریں اور اپنی آرزؤں تمناؤں کی تکمیل کے لئے معبودان باطل سے رجوع کریں، اس جاہلانہ معاشرے میں کچھ خوبیاں ضرور تھیں، مگر برائیوں کی بہتات انہیں نمایاں نہیں ہونے دیتی تھی۔ (۴)

یہ عمومی تاثر قدیم العہد مصنفوں کے ہاں نظم ونثر میں بھی دیکھا جاسکتا ہے اور جدید العہد مصنفوں کی تحریروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً مولانا الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ء۔۱۹۱۴ء) کے مسدس مدو جزر اسلام (۱۸۷۹ء) میں مسلسل ۱۳ بندوں میں دور جاہلیت کا نقشہ جو کھینچا گیا اور جو عوام الناس میں بہت مقبول ٹھہرا اسی تاثر کا نمائندہ ہے۔ (۵) مولانا شبلی نے تہذیب وتمدن کا عنوان قائم کرکے یہ بالکل صحیح لکھا ہے:

> تہذیب وتمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے، مانسیو لیبان فرنساوی نے اصول عمران کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانے میں اوج کمال تک پہنچ چکا تھا، کیوں کہ اصول ارتقا کے رو سے کوئی قوم مس وحشت کی حالت سے دفعتاً اعلیٰ درجے کی تہذیب و تمدن تک نہیں پہنچ سکتی۔ (۶)

لیکن پھر فرماتے ہیں کہ یہ ایک قیاسی استدلال ہے۔ (۷) آگے چل کر لکھتے ہیں کہ لیکن عرب

کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب وتمدن کی یہ حالت نہ تھی ۔(۸) اس کے بعد ایک صفحے سے زائد کی تفصیل کا اندازہ چند منتخب جملوں سے ہوسکتا ہے ۔ مثلاً عربی زبان نہایت وسیع ہے باوجود اس چیز کے جن چیزوں کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے ان کے لئے خاص عربی زبان میں الفاظ نہیں ملتے .... جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے لفظ نہ تھے تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کے لئے کہاں سے لفظ آتے .... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک عیش ونعمت کے سامان بہت کم تھے .... اس زمانے تک گھروں میں جائے ضرور نہ تھی ، مستورات رفع حاجت کے لئے باہر جایا کرتی تھیں .... اس وقت تک چھلنیاں نہ تھیں ، بھوسے کو پھونک سے اڑاتے تھے جو رہ جاتا تھا وہی آٹا ہوتا تھا .... راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔(۹)

صاحب اصح السیر مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوری خلاصتاً تحریر فرماتے ہیں :

> پورے جزیرہ نمائے عرب میں کسی طرح کا کوئی ملکی انتظام قائم نہ تھا ، چوری ڈکیتی قتل خون ریزی وفسادات ، فسق وفجور سارے ملک میں عام تھا اور ان چیزوں کو روکنے والی کوئی طاقت ملک کے کسی حصے میں موجود نہ تھی ، معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا ، تعلیم وتعلم کا تو کہیں وہم وگمان بھی نہ تھا ۔(۱۰)

جب کہ جدید مصنفین میں سے مثلاً مولانا عبیداللہ قدسی (۱۹۷۹ء) اپنی کتاب رحمۃ للعالمین میں قبل اسلام عرب واطراف عرب کے باب میں عرب معاشرے اور تصور قانون واخلاق کا خلاصہ اس طرح پیش کرتے ہیں ، لہٰذا عرب میں کوئی ریاست ، بادشاہت نہیں تھی نہ کوئی باقاعدہ حکومت تھی اس لئے وہاں قانون بھی نہیں تھا بلکہ بدوی اور قبائلی زندگی ، نظم ونسق ، سیاست ، اجتماعی اقتصادی اور جنگ وجدل سب میں چھائی ہوئی تھی ۔(۱۱)

پروفیسر حتی (Hiti) ایک جگہ بطور تبصرہ لکھتا ہے :

> ظہور محمدی سے پہلے کے زمانے کو مسلمان " جاہلیت " کے نام سے یاد کرتے ہیں ، اس اصطلاح کے معنی عموماً جہالت اور بربریت کے لئے جاتے ہیں ، گو شمالی عربوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک تحریر کا کوئی نظام پیش نہیں کیا تھا ، تاہم بربریت جیسی سخت اصطلاح کا اطلاق ایسے معاشرے پر تو نہ ہونا چاہئے جیسا معاشرہ جنوب میں پھلا پھولا تھا ۔(۱۲)

بہر حال جہل و جاہلیت عرب کے بارے میں متذکرہ بالا عوامی مفہوم اور عمومی تاثر اپنے اندر کئی قباحتیں رکھتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ ایک تو یہی بات کہ جہل، جاہلیت وغیرہ کا جو مفہوم اردو زبان و ادب میں مروج ہے، اور عرب جاہلیت کے حوالے سے جو تاثر نمایاں کیا جاتا ہے وہ عربی زبان اور عربی رسم و رواج اور تہذیب و تمدن کے لحاظ سے صادق نہیں آتا (اس کی وضاحت آئندہ صفحات میں لفظی لغوی مفہوم اور تہذیب و معاشرت میں استعمال کے حوالے سے سامنے آئے گی)۔

۲۔ دوسری قباحت واقعاتی عدم مطابقت ہے، چنانچہ اکثر و بیشتر عرب جاہلیت کے حالات و کوائف کا جائزہ لیتے وقت یہ عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ سرزمین عرب کے طبعی جغرافیائی ماحول کے نتیجے میں وہاں کی معاشرتی زندگی میں بدوی، حضری آبادی کی مستقل تقسیم موجود تھی، چنانچہ عربوں کی بدوی زندگی کے حالات و کوائف جدا تھے اور حضری زندگی کے خصائص و لوازم اور طور طریقے بالکل الگ تھے، بدوی زندگی سادگی و کم مائیگی کی آئینہ دار اور ہر قسم کے تکلفات سے مبرا، فطرت و حقیقت سے قریب تر تھی جبکہ حضری زندگی تصنع و تکلف کا مرقع تھی، ان کی بود و باش کا انداز مختلف تھا اور ان میں تہذیب و تمدن کے جلووں کی فراوانی بہت کچھ موجود تھی، طبعی و جغرافیائی حالات کے نتیجے میں معاشرتی زندگی کا تفاوت کسی نہ کسی طرح نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے جس کے سبب عرب جاہلیت کے احوال واقعی کا صحیح نقشہ سامنے نہیں آ سکتا، یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں تاریخ و سیر کی کتابوں میں عہد جاہلیت کے زیر عنوان یا عرب قبل اسلام کی بحثوں میں ان نکات کا لحاظ نہیں رکھا جاتا اور اس طرح مصنفین و مؤلفین کے بیانات واقعات کی صحیح عکاسی سے قاصر رہتے ہیں۔

۳۔ عہد جاہلیت کے عوامی مفہوم اور عمومی تاثر میں نقص کا ایک اور پہلو تاریخی نوعیت کا ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ دورِ جاہلیت میں بھی عرب دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلے میں کئی پہلوؤں سے امتیاز اور کئی حوالوں سے سربلندی و سرفرازی رکھتے تھے؛ مثلاً زبان دانی میں قوت اظہار اور شوکت الفاظ کی دولت سے مالا مال ہونے کے سبب وہ اپنے آگے دوسروں کو عجم (گونگا) سمجھتے اور کہتے تھے، کیوں کہ وہ خود زبان آور، فصیح اللسان، بیان پر قدرت کاملہ اور مافی الضمیر کی ادائیگی پر مکمل عبور رکھتے تھے، نیز ان کے شعرا و ادبا اتنا ذخیرۂ شعر و ادب پیدا کر چکے تھے جس کے سامنے دنیا میں پائے جانے والے قدیم تہذیب و تمدن کے ادبی خزانے بھی بے وقعت تھے، تجارت کو ان کے ہاں فن کا درجہ حاصل تھا، اس وقت کی معلوم

دنیا کے مختلف اطراف میں بری، بحری راستوں سے سفر کرکے ان کے تاجر دنیا بھر سے رابطے رکھتے تھے اور مبادلۂ اشیا کے ساتھ ساتھ صدیوں سے مبادلۂ ثقافت میں مشغول تھے۔ چنانچہ مختلف ادوار میں عرب کے مختلف علاقوں میں بڑی بڑی سلطنتیں (معینی، سبائی، حضرموتی، قبسانی، نابتی) قائم ہوئیں اور ختم بھی ہوگئیں تاہم عربوں کے سیاسی شعور و بلوغ پر گواہی ثبت کرگئیں۔

اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ دور جاہلیت کے بارے میں پایا جانے والا عوامی مفہوم اور عمومی تاثر علمی و تاریخی صداقت سے محروم ہے اس لئے درست نہیں، چنانچہ ہم پہلے مولانا شبلی کے حوالے سے لیبان کی رائے نقل کر چکے ہیں کہ ''اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانے میں اوج کمال تک پہنچ چکا تھا کیوں کہ اصول ارتقا کی رو سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعتاً اعلیٰ درجے کی تہذیب و تمدن تک نہیں پہنچ سکتی۔

لفظی لغوی مفہوم:

خالص علمی لحاظ سے دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ عربی زبان میں لفظ ''جاہلیت'' کی اصل جھل ہے۔(۱۳) اور باب سَمِعَ یَسْمَعُ میں جَھِلَ یَجْھَلُ جَھْلاً و جَھَالَۃً اور دوسرے متعدد الفاظ و محاورات اس سے مشتق ہیں۔(۱۴) قدیم و جدید ائمہ لغت کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مادے (جھل) سے بننے والے بہت سے الفاظ (اپنے جوہری اشتراک و ارتباط کے باوجود) مختلف معانی پر دلالت کرتے ہیں، تاہم مشہور امام لغت علامہ ابن فارس (م ۳۹۵ء) کی تحقیق کے مطابق (جومبنی بر حقیقت ہے) جہل کے جملہ مفاہیم میں دو معنی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

ایک معنی لاعلمی، بے علمی، کم علمی، عدم معرفت، ناواقفیت اور نہ جاننا، (احدھا خلاف العلم) (۱۵) اور اس معنی میں یہ علم و معرفت کے برعکس ہے (والجھل ضد العلم) (۱۶) چنانچہ اَلْمَجْھَلۃ ہر وہ معاملہ، بات جو جہل، نادانی، ناواقفیت کا سبب ہو (مایحملک علی الجھل) (۱۷) التجھیل میں بھی یہی نسبت جہل پائی جاتی ہے (۱۸) اور الجھالۃ کا مطلب ہوگا کہ کوئی کام جانے بوجھے بغیر کیا جائے (ان تفعل فعلاً بغیر العلم) (۱۹) اور جب یہ کہا جائے، ان فلانا لجاھل من فلان تو اس کا یہی مفہوم ہوگا کہ فلاں فلاں سے ناواقف ہے یا (ای جاھل بہ) اسے وہ نہیں جانتا۔ (۲۰) آیت قرآنی یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَاءَ (۲۱) میں بھی جاہل سے مراد وہ نہیں جو عاقل کا برعکس ہے بلکہ وہ ہے جو اپنے ظاہری

احوال سے معلوم ہو۔(۲۲) چنانچہ یہاں جہل (حقیقت ناشناسی پر مبنی) وہ ہے جو الخبر (واقفیت، آگاہی) کی ضد ہے۔(۲۳) چنانچہ جب یہ کہا جائے ھو یجھل ذلک تو مطلب ہوگا وہ اسے نہیں جانتا (ای لایعرفه)(۲۴) المجھل لق ودق بیابان (لااعلام فیھا) (۲۵) جس میں پہچان کے لئے کوئی نشان یا علامت نہ پائی جائے اور ارض مجھولة ناقابل شناخت زمین یا ایسی زمین (میدان) جہاں نہ کچھ نشان ہوں نہ پہاڑ وغیرہ (۲۶) جس سے اسے پہچانا جاسکے، غیر معروف۔ بہرحال جہل کا یہ مفہوم جس میں ناواقفیت لاعلمی اور عدم معرفت شامل ہے، کلام عرب میں معروف ومشہور تھا۔(۲۷)

ابن فارس کی تصریح کے مطابق، جہل کے دوسرے مفہوم میں (والآخر الخفة خلا طمانیة) (۲۸) ہلکاپن، سفلہ پن، سفاہت، بے قراری اور اضطراب کے پائے جاتے ہیں، ان تمام حالتوں میں اگر غور وفکر کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ چیز اپنی اصلی حالت میں، معیاری سطح پر اور معمول واعتدال سے تجاوز کر جاتی ہے، یہ تجاوز ظاہری اور مادی طور پر بھی واقع ہوسکتا ہے اور باطنی ومعنوی لحاظ سے بھی ہوسکتا ہے، اشیا میں بھی ممکن ہے اور رویے وسلوک، اعمال وافعال میں بھی، نیز یہ تغیر حالات کسی درجے کا ہوسکتا ہے اس کا اندازہ متعدد الفاظ ومعانی سے کیا جاسکتا ہے۔

ابن درید نے لکھا ہے کہ ارض مَجْھَل ایسی زمین کو کہا جاتا ہے (لایھتدی فیھا)(۲۹) گویا جو نادرست، غیر ہموار، اونچی نیچی، اصلاح طلب ہو، جہاں راستے نشان وغیرہ نہ بنے ہوں جن سے (لوگوں کی) رہنمائی ہوسکے، اس کی جمع مجاھل ہے۔(یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ پہلے بنیادی معنی کے ضمن میں المجھل کے تحت پہلے جو کچھ بیان کیا گیا تھا اس کا حوالہ دوسرا تھا۔(لا اعلام فیھا) جب کہ دوسرے بنیادی معنی کے تحت یہاں حوالہ (لایھتدی فیھا) بالکل مختلف ہے) اِلمجْھَلُ اس لکڑی (کریلنی) کو کہتے ہیں (یحرک بھا الجمر)(۳۰) جس کے ذریعے آگ، انگاروں کو (آگے پیچھے، اوپر نیچے) حرکت دی جاتی ہے۔ اس طرح کہا جاتا ہے وَاسْتَجْھَلَتِ الرِّیحِ الغُصْنَ یعنی (بے قابو، آوارہ، تیز) ہوا نے شاخوں کو ہلا ڈالا۔(جھنجھوڑ دیا)۔ اذا حرکته فاضطرب (۳۱)(حرکت دے کر بے چین ومضطرب کردیا)۔ جب کسی چیز کو گھٹاتے گھٹاتے اتنا کم کردیا جائے (استخفاف) کہ وہ حقیر (کم ظرف، بے قیمت) ہوجائے (فقد استجھلته)(۳۲)۔ ایک حدیث میں بروایت حضرت ابن عباسؓ منقول ہے کہ من استجھل مومناً فعلیه اثمه۔(۳۳) اگر کوئی کسی مومن کو جاہل وحقیر سمجھتے ہوئے یہ کہے تو بارِ گناہ اس پر ہوگا۔ کیوں کہ جاہل، حقیر بنانے یا سمجھنے میں مرکزی بات، اہل حیثیت سے کسی چیز کا گھٹانا (استخفاف) شامل

ہوتا ہے (و کل مااستخفک فقد استجھلک)۔(۳۴)

لفظی لغوی مفہوم کے حوالے سے لفظ جہل اور اس کے متعلقات پر جو گفتگو ہو چکی ہے اس کی روشنی میں بعض پہلوؤں کی خوب وضاحت ہو جاتی ہے اور جو بنیادی معنی سے بھی مربوط و ہم آہنگ ہیں۔ چنانچہ:

۱۔ اول یہ کہ جہل لفظاً خلاف علم تو ضرور ہے لیکن یہ ان پڑھ اور نوشت و خواند سے بے بہرہ کا مصداق نہیں جیسا کہ اردو میں بالعموم یا عوامی سطح پر سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ علم اور حصول علم کے ذرائع صرف لکھنے پڑھنے اور اشیائے نوشت و خواند تک محدود نہیں۔ ''ان پڑھ'' ہونے کے باوجود آدمی ''صاحب علم'' ہو سکتا ہے۔ (۳۵) اور یہ بھی ممکن ہے کہ نوشت و خواند سے واقفیت رکھنے کے باوجود آدمی علم سے کورا، معلومات سے بے بہرہ اور حقیقت سے بے خبر ہو، بلکہ بعض اوقات پڑھے لکھے ہونے کے باوجود چند مخصوص باتوں سے لاعلمی یا ادب آداب سے ناواقفیت، آدمی کو بسا اوقات اپنے طرز عمل اور گفتار و کردار میں جاہلوں سے بدتر بنا دیتی ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ علم جہل کا سبب بن جاتا ہے یا علم لاعلمی کے مترادف ہو جاتا ہے۔ (۳۶) یا علم میں ایسے علم کا انتخاب جو بجائے خود جہل کا مصداق ہو یا بعض علم کو جہل کی طرح برا سمجھا جا سکتا ہے۔ (۳۷) یہ تمام حقائق کے وہ رنگ ہیں جو حدیث نبوی ﷺ کے ان الفاظ کی معنویت کو دوبالا کر دیتے ہیں کہ ان من العلم جھلا (۳۸) اس کا مطلب یہ ہے کہ علم کے ذریعے ایک خاص قسم کی ذہنی سطح پیدا ہوتی ہے جو آدمی کے فکر و عمل اور اس کے رویے و سلوک کو متاثر کرتی ہے۔ یہ علم چاہے مادی ظاہری آلات و وسائل اور ذرائع نوشت و خواند سے حاصل کیا جائے یا محض حواس خمسہ سے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ علم ان سب کے علاوہ عقل، وجدان اور وحی و الہام جیسے مآخذ سے مستفاد ہو۔

۲۔ ثانیاً جہاں تک اہل عرب کا تعلق ہے، وہ بلاشبہ جاہل یا کم علم اور ناواقف تھے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اسباب نوشت و خواند اور ماہرین فن کم یاب تھے۔ (۳۹) لیکن لاعلمی یا کم علمی اور ناواقفیت کس حد تک، کس دائرے میں تھی اس کا تعین اس زمانے کے حقائق و احوال سے ہی ہو سکتا ہے۔ (جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی اصل ناواقفیت، دین و شریعت، وحی و الہام، ضابطۂ ہدایت ربانی کی تھی)۔ علاوہ ازیں اُن کے ہاں آلات و اسباب نوشت و خواند، تعلیمی سرگرمیوں اور درسگاہوں کا ناکافی ہونا دلیل جہل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ مآخذ علم ان کے سوا بھی ہیں، اور یہ مسلمات میں سے ہے کہ علم، تعلیم و تعلم کی قابلیت، اہلیت اور استعداد ان میں دوسری قوموں کی نسبت زیادہ تھی، اور یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ اہل عرب کو کم از کم عقل و فہم میں دوسری اقوام کی بہ نسبت حصہ وافر ملا تھا۔ (۴۰)

۳۔ ثالثاً یہ کہ عربوں کی استعدادِ علم (بالقوہ) اور وفور عقل وفہم (بالفعل) کے پیش نظر، ان کے جہل کو علم کے مقابل قرار دینا محض لغتاً بلکہ تکلفاً ہے حقیقتاً نہیں، چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ عہد ماقبل اسلام، ماقبل نبوت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں عرب کی تہذیب ومعاشرت میں ''جہل'' کو علم کا عکس اور اس کی ضد سمجھنے سے زیادہ اسے دراصل ''حلم کے بالمقابل تسلیم کیا جاتا تھا۔ (وقد یقابل به الجهل والسفه) (۴۱) یہ بہت اہم نکتہ ہے، اسے اکثر و بیشتر نظر انداز کر دینے سے معاشرت وثقافت قبل الاسلام میں جہل، اور جاہلیت کی حدود وقیود کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس باب میں کچھ مزید وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔

حلم کے مفہوم میں اگرچہ وسعت ہے اور اس میں صبر وضبط، آہستگی، بردباری، نرم خوئی اور شائستگی داخل ہے، تاہم ان میں سے صبر (ضدا الطیس الصبر و الاناة والسکون مع القدرة والقوة) (۴۲) کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور جیسا کہ آلوسی نے لکھا ہے کہ حلم اصلاً ''نفس کو قابو میں رکھنے'' کا نام ہے، تاکہ وہ اپنی حاجت پوری کر سکے اور غصہ نہ بھڑکنے پائے۔ فان الحلم امساک النفس عن هیجان الغضب کما ان التحلم امساکها عن قضاء الوطر۔ (۴۳) حلم کے ایک معنی عقل و فرزانگی کے بھی ہیں، جسے بقول آلوسی حلم سے جدا نہیں کیا جا سکتا غیر منفک عنه (۴۴) چنانچہ ہر عقل کی بات جو فعلاً ظاہر ہو حلم میں شمار ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے جو حق کی اطاعت نہیں کرتے بطور تعجب فرمایا ہے کہ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ (۴۴/ الف) ''کیا ان لوگوں کی عقلیں انہیں ایسا کرنے کا حکم دیتی ہیں'' (۴۵)

آلوسی مزید لکھتے ہیں کہ عرب کس قدر زیادہ عقل کے مالک تھے ان کی شہرت ہر اس بات پر استوار تھی جس سے حلم کی تکمیل ہوتی ہو، کیوں کہ انسان کا حلم صرف اس وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ اپنے تمام اعضا و جوارح پر قابو رکھے۔ (۴۶) مثلاً ہاتھ پر قابو کہ بے جا گرفت نہ کرے، زبان پر قابو کہ وہ فحش بات نہ نکالے اور آنکھ پر قابو کہ ادھر ادھر بہک بھٹک نہ جائے۔ جہل چونکہ حلم کا عکس ہے اس لئے جہل کا مفہوم بھی حلم کے برعکس دیکھا اور معلوم کیا جا سکتا ہے، مجموعی طور پر اعضاء و جوارح کا بے قابو ہونا اور پھر اس کے اظہار کی کوئی بھی شکل، مثلاً بے صبراپن، سرکشی، طغیان و عدوان (بمقابلہ صبر و ضبط) ہیجان و اضطراب (بمقابلہ وقار و آہستگی) سفلہ پن، سفاہت، اکھڑپن، بے عقلی، نادانی، (بمقابلہ بردباری) وغیرہ کا جہل میں شمار ہوگا، جہل اور حلم کا باہم عکس و تضاد لیکن ناگزیر تلازم کلام عرب کے آئینے میں بھی نمایاں تھا، چنانچہ کعب بن زہیر کا شعر ہے۔

اذا أنت لم تُعرض عن الجهل والخَنَا أصبتَ حليماً او أصابک جاهل (۴۷)

اگر تو جہل، نادانی اور بدخلقی و بدکلامی سے نہ بچے گا تو یا تو کسی حلیم و بردبار کو گزند پہنچادے گا یا کوئی جاہل تجھے اپنا اکھڑپن دکھادے گا۔

جہل و جاہلیت کا یہی مفہوم زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر عمرو بن کلثوم کے ہاں بہ تکرار نمایاں ہے۔

الا لا يجهلن احد علينا فنجهل فوق جهل الجاهلينا (۴۸)

خبردار! ہمیں کوئی اپنا اکھڑپن نہ دکھائے ورنہ پھر ہم بھی سب سے بڑھ کر اکھڑپن دکھادیں گے۔

اہل عرب حلم کی فضیلت کے قائل بھی تھے اور یہ صفت ان کے ہاں پسندیدہ بھی سمجھی جاتی تھی، جبکہ اس کے برعکس جہل کی فضیحت کو بھی خوب جانتے تھے اور صفات جہالت بہر حال ناپسندیدہ قرار پاتی تھیں، چنانچہ خلف بن خلیفہ مولیٰ قیس بن ثعلبہ عربوں کے مکارم اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

ان استجهلوا لم يغرب الحلم عنهم وان آثروا ان يجهلوا اعظم الجهل (۴۹)

اگر انہیں سفلہ پن پر اکسایا جائے تو یہ (فوراً) اپنی قبائے حلم اتار کر نہیں پھینکتے، مگر ہاں جب اکھڑپن پر اتر ہی آئیں تو پھر ان کا اکھڑپن آفت چیز بن جاتا ہے۔

گذشتہ صفحات میں جہل، جہالت اور جاہلیت کے لفظی لغوی مفاہیم، ان الفاظ کی اصل اور فروعات، ان کے بنیادی لازمی، معنی ان کے اضداد و متقابلات سے متبادر ہونے والی معلومات کے نتیجے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جاہلیت ایک ایسا کل ہے۔ جس کے احاطے میں اس کے تمام اجزائے معانی ایک دوسرے سے الگ بھی ہیں اور مربوط و متعلق بھی، نیز ایک دوسرے کا منطقی نتیجہ بھی ہیں اور کلی مفہوم کی کشید میں برابر کے حصہ دار بھی ہیں۔ چنانچہ جہل میں بنیادی طور پر نفی علم، نقص علم اور عدم معرفت پائی جاتی ہے اس سے وہم و گمان، تخمین و ظن پروان چڑھتا ہے اور بے خبری و کج روی پیدا ہوتی ہے، جو جاہل کو تجاوز عن الحق والصواب اور افراط و تفریط میں مبتلا کر کے فکر و عمل میں اصل حالت معیار، حق و صواب سے ہٹا کر بے قابو کر دیتی ہے یہاں تک کہ سفاہت و حماقت کی کوئی بھی حرکت کر کے اپنا اکھڑپن اجڈ پن دکھا سکتا ہے۔

لفظی لغوی مفہوم کی رو سے جاہلیت کی اس تعریف اور کلی مفہوم میں یہ بات صاف طور پر دیکھی جاسکتی ہے کہ جاہلیت کی تمام حالتیں اور اس کے خواص و لوازم منفی رخ کے آئینہ دار ہیں مثلاً نفی علم، عدم معرفت، عدم طمانیت، نفی، صبر و ثبات، نفی حلم، نفی سلم، اسلام، امن و سلامتی، گویا یہ سب تخریبی (غیر تعمیری)

علامات ہیں، اور ایک مجموعی منفی رویے کا اظہار ہے، جاہلیت کے ان منفیات میں ایک استثنیٰ البتہ یہ تھا کہ جاہل نفی ذات نہیں کرتا بلکہ تمام زور وطاقت اپنی ذات کو اجاگر کرنے میں صرف کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں کبر وغرور، تفاخر، تفارق، تفاضل، حمیت وغیرت ناحق اور ظلم وتعدی کے متنوع مظاہر اس جاہلی معاشرے میں عام تھے، لیکن یہ تمام صفات اپنی نوعیت میں بجائے خود منفی ہیں اور اخلاقِ رذیلہ میں شمار کی جاتی ہیں۔

جہل، جاہلیت۔ قرآنی مفہوم:

جاہلیت کے لفظی لغوی معنی ومفہوم جاننے کے بعد قبل اس کے کہ ہم بطور اصطلاح اس کا جائزہ لیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت کے قرآنی مفاہم کو بھی پیش نظر رکھا جائے، کیوں کہ قرآن میں مستعمل لفظ جہل اور اس کے مختلف مشتقات (جهل، جهالة، جاهلية، جاهلون، يجهلون، تجهلون، الجاهل، جاهلين وغیرہ) کا بہت کچھ مفہوم سیاق وسباق عبارت اور موقع ومحل کی مناسبت سے واضح ہو جاتا ہے اور اس کے بین السطور جاہلیت کے انوع واقسام کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے، نیز یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جاہلیت افکار، اقوال، افعال، عادات ورسوم اور آثار واظہار کی لاتعداد صورتوں میں نمایاں ہوسکتی ہے۔ اس اجمال کی کچھ تفصیل ذیلی عنوانات کے تحت بیان کی جاسکتی ہے:

ا۔ ضلالت وگمراہی (نفی حق، نفی ہدایت، عدم معرفت):

جاہلیت کا نمایاں ترین اظہار ضلالت وگمراہی کی اس شکل میں ہوتا ہے جب کہ انسانی افکار، اعمال وآثار ہدایت ربانی، شریعت الٰہی اور تعلیم نبوت سے عاری ہوں، یعنی عدم معرفت حق، فماذا بعد الحق الا الضلال (۵۰) (پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ جاتا ہے)۔ کیوں کہ ہدایت کا ظہور، حق وآگہی کا شعور اور علم ویقین کا نور، نبوت ورسالت سے وابستہ ہوتا ہے، اس لئے جب تک نبوت و رسالت محمدی ﷺ کا مہر تاباں طلوع نہ ہوا تھا، عرب وعجم میں ہر جگہ ضلالت وگمراہی کا دور دورہ تھا اور جہالت فراواں کا تسلط تھا، لیکن بعثتِ رحمۃ للعالمینی کے بعد جو لوگ اس قدیم حالت (عدم معرفت، اعراض حق، انکار حق) سے نہ نکلنا چاہیں بلکہ اللہ کے فرستادہ نبی کی دعوت کا مذاق اڑائیں اور ہدایت و فلاح سے منہ موڑ لیں وہ گویا صریح گمراہی میں مبتلا اور اسیر جاہلیت ہیں، چنانچہ حضرت ہود علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ اِنِّیٓ اَرٰکُمۡ قَوۡماً تَجۡهَلُوۡنَ (۵۱) اور ان ہی الفاظ ومفہوم کی تکرار سورۂ اعراف (۵۲) اور سورۂ

احقاف (۵۳) میں موجود ہے، جو اس نوعِ جاہلیت (ضلالت وگمراہی، نفی حق) کو واضح کر رہا ہے، ضلالت وگمراہی پر موقوف اسی جاہلانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کفار ومشرکین مکہ نے بھی کیا تھا، چنانچہ ہدایت کی طرف ملتفت نہ ہونے والے اور حق کی ناقدری کرنے والے جاہلین کہلائے جانے کے مستحق ہیں، امام راغب کے نزدیک الضلال کے معنی ہیں سیدھی راہ سے ہٹ جانا، یہ ہدایت کے بالمقابل ہے۔ (۵۴) نیز ضلال کا لفظ ہر قسم کی گمراہی پر بولا جاتا ہے قصداً ہو یا سہواً، تھوڑی ہو یا زیادہ۔ (۵۵)

۲۔ وہم وقیاس، ظن وگمان (خام خیالی):

تمام تر جاہلانہ طرزِ عمل، جاہلانہ فکر واعتقاد، جاہلانہ کردار اور جاہلانہ رویہ وسلوک کی اصل وجہ خام خیالی (ظن) ہے، وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا (۵۵/الف) وہم وگمان ظن وتخمین کی بنیاد حواس و محسوسات، نادیدہ مشاہدات اور ایسی باتوں پر ہوتی ہے جو علم اور حق کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتیں، خیالات میں وہم وگمان کے پر لگ جائیں تو ذہنی منظر کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے، انجانا خوف یا طمع، بے جا توقعات اور نفسانی خواہشیں دل ودماغ کو مغلوب کر کے حقائق کو طلسماتی رنگ دے دیتی ہیں، چنانچہ کفر و شرک کی بے شمار شکلیں، رہبانیت، اور دوسرے جاہلانہ رسوم ورواج کا جواز اور مآخذ وہ بے بنیاد خیالات اور قیاسات ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں پائے جاتے تھے اور جنہیں قرآن نے جامع الفاظ میں ظن الجاہلیۃ قرار دیا ہے يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ۔ (۵۶) ''وہ اللہ کے بارے میں ناحق زمانۂ جاہلیت کے سے گمان میں مبتلا ہیں''، امام راغب کے نزدیک معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کی طرح اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے ہیں۔ (۵۷) بے بنیاد ظن وگمان یا وہم وقیاس کسی درجے میں بھی حق کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ (۵۸) یہی ظن وگمان شرک کو جنم دیتا ہے۔ (۵۹) یہی ضلالت وگمراہی کا باعث ہوتا ہے۔ (۶۰) عذرِ گناہ کے لئے جواز کا راستہ یہی گمان سمجھا تا ہے۔ (۶۱) انکارِ آخرت کا موجب بھی یہی ہے۔ (۶۲) لات وعزیٰ (اور ان جیسے دوسرے) بتوں کی پرستش اور انہیں معبود ومسجود ماننے کی وجہ بھی کفار ومشرکین اور ان کے آباواجداد کی خام خیالی کا نتیجہ تھی۔ (۶۳) عہد جاہلیت میں اوہام وخرافات کی بہتات اور مشرکانہ وہم پرستی کا عام میلان ان کے ذہن کی اختراع اور وہم و گمان کا ہی نتیجہ تھا۔ (۶۴) ان کا کوئی نظریہ کسی علمی ثبوت اور دلیل پر مبنی نہ تھا، جبکہ اسلام کی بنیاد علم ہے، ٹھوس پختہ علم جو حسی مشاہدے پر نہیں بلکہ وحی کا فیضان تھا جس میں غلطی کا امکان نہ تھا۔

۳۔ بدخلقی، بدخوئی، اکھڑپن، بیوقوفی، نادانی:

جہالت حلم کی ضد ہے اور حلم بردباری، شائستگی، نرم خوئی و خوش خلقی سے عبارت ہے، جب کہ جہالت بدخوئی، ناشائستگی اور بے صبرے پن کا نام ہے، قرآن میں اہل ایمان اور رحمٰن کے بندوں کی صفات و خصوصیات کے ضمن میں یہ بتایا گیا ہے کہ انکار و یہ اللہ کی مخلصانہ بندگی کا آئینہ دار، اور چال ڈھال، رفتار گفتار سب میں مومنانہ کردار کا حامل ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا گیا، وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۔ (۶۵) گویا رحمٰن کے بندوں کے عادات واطوار واضح طور پر جاہلوں سے ممتاز و ممیّز ہیں، اور سورۂ قصص میں مؤمنین کی صفات کا تذکرہ اس طرح کیا گیا: وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ز لَانَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَO (۶۶) جب کہ سورۂ اعراف میں یہ حکم دیا گیا: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَO (۶۷)

۴۔ ظاہر پرستی، بت پرستی، اصنام پرستی، مصنوعی خداؤں کی پرستش:

معبودانِ باطل اور غیر اللہ کی پرستش اور شرک و بت پرستی کی تمام شکلیں انواع جاہلیت میں شامل ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل عذاباتِ الٰہیہ کا تجربہ اور انعاماتِ خداوندی کا مشاہدہ کرنے کے باوجود بھی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بت پرستی کی تڑپ کا اظہار کرتے ہیں (۶۸) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جواباً ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَO (۶۹) اور سورۃ الزمر میں (آیت ۶۴) کا سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ جھوٹے خداؤں کے ماننے والے مشرکوں کو جاہلون سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَO (۷۰) جو اَن دیکھے خدا کے مقابلے میں مادی وجود رکھنے والے بتوں یا محسوس مادی اشیا کو درجۂ الوہیت پر رکھنے کے عادی تھے، ان جاہلوں نے اپنے معبودانِ باطل سے جو صفات و خصوصیات منسوب کر رکھی تھیں وہ خیالی، تصوراتی اور اعتقادی تھیں، ان کا نہ حقیقت و اصلیت سے تعلق تھا اور نہ کوئی علمی بنیاد، محض خیال و گمان کا نتیجہ تھا۔

۵۔ نفس پرستی، شہوت رانی، بے حیائی، سفلہ پن:

لذت نفس کا حصول جاہلیت کا طرۂ امتیاز ہے۔ (جب کہ اسلام کا خصوصی امتیاز شرم وحیا اور پاکیزگی ہے) لذت نفس اور تسکین حیوانیت کی تمام صورتیں مثلاً شہوت پرستی، بدکاری کے تمام طریقے، بے

جا اظہار زینت، فواحش اور تمام شیطانی نفسانی طور طریقے جن کے سبب کوئی شخص آدمیت وشرافت کا جامہ اتار پھینکتا ہے اور حیا سوز رویہ اپنا لیتا ہے انواعِ جاہلیت میں داخل ہے، انبیاء ورسل کو اللہ تعالیٰ ان محاذوں پر بھی ثابت قدم رکھتا ہے تا آنکہ حیا سوز قوتیں ناکام ونامراد ہو جاتی ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام پر آزمائش کی ایک گھڑی اس وقت آئی جب کہ امرأۃ عزیز نے انہیں اپنے سفلی مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرنا چاہا، مگر بہ توفیق الٰہی حضرت یوسف اس کے دام میں نہ آسکے۔ امرأۃ عزیز اور دوشیزگان شہر کی جانب سے بے حیائی، حیلہ جوئی مکر جاہلیت تھی جس سے آپ علیہ السلام ان الفاظ میں پناہ مانگ رہے ہیں:

وَاِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ کَیۡدَهُنَّ اَصۡبُ اِلَیۡهِنَّ وَاَکُنۡ مِّنَ الۡجٰهِلِیۡنَ○ (۷۱)

اور اگر (اے اللہ) تو نے دفع نہ کیا ان کا فریب تو مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور ہو جاؤں گا بے دریغ مبتلائے ہوس (جاہلیت)۔

اور اس میں کیا شک ہے کہ اس وقت کے زہد شکن حالات (جاہلیت) میں جذبات پر قابو رکھنا، امانت نفس کی پاسداری کرنا ان کے طہارت کردار کی ایسی محکم ومستحکم دلیل تھی جسے انہوں نے علو مرتبت پر سرفرازی سے پہلے سب کے سامنے یہ کہہ کر پیش کیا:

ذٰلِکَ لِیَعۡلَمَ اَنِّیۡ لَمۡ اَخُنۡهُ بِالۡغَیۡبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِیۡ کَیۡدَ الۡخَآئِنِیۡنَ○ (۷۲)

یہ اہتمام اس وجہ سے ہے کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اُن کی عدم موجودگی میں بھی اس کی آبرو پر دست درازی نہیں کی اور اللہ خیانت کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

سورۃ النمل میں قومِ لوط کی ایک عادت قبیحہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کی شہوت رانی کو جاہلیت میں شمار کیا گیا، اَئِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَهۡوَةً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ ط بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تَجۡهَلُوۡنَ○ (۷۳)

بہر حال فواحش ومنکرات اور بے حیائی کے تمام کام خدا پرستی کی راہ میں رکاوٹ، شیطان کی پیروی ورضامندی کا باعث اَلشَّیۡطٰنُ یَعِدُکُمُ الۡفَقۡرَ وَیَاۡمُرُکُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ۔ (۷۴) وَمَنۡ یَّتَّبِعۡ خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ۔ (۷۵) اور فروغِ جاہلیت کا موثر ترین ذریعہ ہیں، اسی لئے فحاشی وبدکاری اور اس میں ممد ومعاون بننے والے محرکات، افعال، حرکات وسکنات مثلاً عورتوں

کی ایسی آرائش و زیبائش جس سے محض نمائش مقصود ہو اور جس کا مقصد مردوں کے خوابیدہ جذبات کو برانگیختہ کرنا ہو زمانہ جاہلیت کے پرانے طور طریقوں میں شمار کرتے ہوئے سورۂ احزاب میں ممنوع قرار دیا گیا: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی۔ (۷۶) ''اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور جاہلیت اولیٰ کی طرح تبرج (زیب و زینت آرائش و نمائش) نہ کرو'۔ تبرج کے علاوہ بھی فواحشات کی اشاعت میں حصہ لینے والے تمام ذرائع و وسائل بھی شیطانی رضامندی کے ساتھ فروغ جاہلیت کا باعث اور قہر خداوندی کا موجب ہیں جس سے اہل ایمان کو یہ کہ کر روکا گیا: اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ لا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ط وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ O (۷۷) فحاشی ہمیشہ برائی کو جنم دیتی ہے جب کہ اس کے مقابل شرم و حیا اور پاکیزگی صرف اچھائی اور خیر و فلاح لاتی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: **الحیاء لایأتی الا بخیر** (۷۷/الف)

۶۔ جاہلیت، اللہ کے قانون کے بالمقابل قانون:

سورۂ مائدہ میں جاہلیت بطور ایک اصطلاح استعمال ہوئی اور فرمایا گیا اَفَحُکْمَ الْجَاھِلِیَّۃِ یَبْغُوْنَ۔ (۷۷/ب) تو پھر کیا یہ اسلام سے منہ موڑ کر جاہلیت (عہد جاہلیت کے طرز زندگی) اور قانون، کے خواہاں ہیں۔

۷۔ اعراض وتجاوز عن الحق، تعمیل حکم الٰہی سے روگردانی:

سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل (یہود) کی نافرمانیوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ان کے اعراض حق کی نمایاں ترین مثال یہ مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں باری تعالیٰ کا یہ حکم سنایا کہ وہ ایک گائے ذبح کریں تو بڑی ڈھٹائی سے بلکہ از راہ تمسخر الٹا یہ سوال کرنے لگے:

قَالُوْآ اَتَتَّخِذُنَا ھُزُوًا۔ (۷۸)

تم ہم سے کوئی مذاق تو نہیں کر رہے ہو؟

حالانکہ اس قسم کے مذاق اور ایسی نادانی اور حق سے ناحق منسوب کرنے کی جسارت ایک نبی اور رسول کی طرف سے کس طرح ممکن تھی؟ بنی اسرائیل کا پیرایۂ بیان اور متصل آیات میں ان کے پے در پے سوالات ظاہر کر رہے ہیں کہ وہ تعمیل حکم سے بچنا چاہتے تھے اور الفاظ کے الٹ پھیر میں کوئی چور راستہ تلاش کر رہے تھے۔ بہرحال ان کے سوال کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جامع اور باطل شکن جواب یہ دیا

گیا کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ O (۷۹) میں پناہ مانگتا ہوں اللہ سے کہ ہو جاؤں جاہلوں (اعراضِ حق کرنے والوں، تعمیل حکم سے روگردانی کرنے والوں میں سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب نے یہود کے اعراضِ حق کی عادت قبیحہ کی نشاندہی بھی کردی، ان کی بے جا جسارت پر تنبیہ بھی فرمادی اور ان کے جاہلانہ طرز عمل کا پردہ بھی چاک کر دیا گیا، امام راغب نے لکھا ہے کہ ھــزو کو جہالت قرار دیا گیا ہے۔ (۸۰) نیز کسی کام کو جس طرح کرنا چاہئے اس کے خلاف کرنا بھی جہالت ہے۔ (۸۱)

۸۔ انا، ضد، ہٹ دھرمی بمقابلہ دعوت حق:

مخالفت حق اور انکار دعوت انبیاء و رسل کے پس پردہ محرکات و اسباب میں منکرین مخالفین اور مستہزئین کی اپنی جھوٹی انا، ضد، ہٹ دھرمی اور سب کچھ دیکھنے سمجھنے کے باوجود زعم باطل شامل ہوتا ہے، یہ دراصل زعم جاہلیت ہے جس میں ایمان کے انکاری ہٹ دھرمی میں مبتلا ہوتے ہیں اور یہی زعم جاہلیت انہیں قبول حق کی سعادت سے محروم رکھتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلاً مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ O (۸۲)

اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے، اور ان سے مردے باتیں کرنے لگتے اور ہم تمام موجودات (غیبیہ) کو ان کے پاس ان کی آنکھوں کے روبرو لا کر جمع کر دیتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، ہاں اگر اللہ چاہے تو اور بات ہے لیکن ان میں زیادہ تر لوگ مرتکب جاہلیت ہیں۔

چنانچہ کفار و مشرکین عرب کا عموماً اور کفار قریش کا خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا انکار اس نوعِ جاہلیت (ضد، ہٹ دھرمی) کو شامل تھا۔ وہ آپ ﷺ سے بار بار مختلف معجزات پر اصرار کرتے رہے اور اسے اپنے ایمان کی شرط بھی قرار دیتے تھے، لیکن چونکہ اصل مقصد فہم حق اور قبول دعوت نہ تھا اس لئے سب کچھ جانتے سمجھنے اور دیکھ لینے کے باوجود اپنی ضد ہٹ دھرمی اور زعم جاہلیت کو ترک نہ کرتے تھے، اصلاً ایمان لانے میں انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ O (۸۳)

۹۔ عصبیت، حمیت جاہلیۃ:

عصبیت، گروہ بندی، اپنے کسی تعلق والوں کی بے جا طرفداری تعصب اور بے جا حمایت، اور حمیت وغیرت کا ناجائز استعمال اور ایسا مظاہرہ جو مزاحمت حق کا باعث ہو، جو عدل وانصاف کے خلاف ہو، اور وطن، رنگ، خون، خاندان، نسل، حسب ونسب یا دوسرے مفادات کی محبت آدمی کو صحیح، جائز، حق، عدل سے منحرف کردے، عصبت جاہلیۃ کے زمرے میں آتی ہے۔ عصبیت اپنی ماہیت کے اعتبار سے قوت کی دلیل ہے۔ (۸۴) لیکن اپنی معنویت کے لحاظ سے بدنیتی کا محرک اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ط اِنَّ اَبَانَا لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ O (۸۵) بے جا فخر وغرور کا باعث اور سفلی مقاصد کا آئینہ دار قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ O (۸۶) اور طریقۂ کار کے اعتبار سے اس میں دجل وفریب شامل ہو جاتا ہے۔ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ O قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ج وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ O وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ط قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۔ (۸۷) کم وبیش یہی صورت حال حمیت جاہلیۃ کی ہے، غیرت وحمیت بجائے خود قوت محرکہ ہے اگر حق کے فروغ کے لئے ہو تو محمود ہے لیکن اگر حق کی مزاحمت میں صرف ہو تو حمیت جاہلیۃ کی صورت میں مذموم ہے۔

عہد جاہلیت میں قبائلی، خاندانی، نسلی، خونی عصبیت شدید تھی۔ اور انتقام در انتقام کے تحت سالہا سال تک جاری رہنے والی جنگوں کی اصل قوت محرکہ یہی عصبیت تھی۔ عہد رسالت ﷺ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش مکہ کی طرف سے حمیت جاہلیۃ کا جو مظاہرہ کیا گیا وہ ان کی قدیم روایات کے مطابق اور صریحاً مزاحمت حق کا آئینہ دار تھا۔ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجٰهِلِيَّةِ ۔ (۸۸) اسلام ہر قسم کی عصبیت کا مخالف ہے، چنانچہ احادیث کی رو سے خاندانی فخر ومباہات کی کوئی حیثیت نہیں۔ آباواجداد پر فخر اور دوسرے پر طعن انواع جاہلیت میں شامل ہے۔ چنانچہ اس طعن پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ سے آنحضور ﷺ کا یہ فرمانا معنی خیز ہے کہ انک امرء فیک جاھلیة (۸۹) ایک اور حدیث کے مطابق جاہلیت میں جن تین باتوں کو شمار کیا گیا ہے ان میں سے حسب ونسب پر فخر اور دوسروں کے نسب پر طعن کرنا شامل ہے۔ بہرحال نخوت جاہلیت قابل مذمت ہے اور اپنے جتھے، گروہ، یا قوم کی بے جا حمایت سخت ممنوع ہے۔ جو شخص کس (ناجائز معاملے میں) اپنی قوم کی مدد کرتا ہے تو اس کی مثال

ایسی ہے کہ جیسے کوئی اونٹ کنویں میں گر رہا ہو اور یہ اس کی دم پکڑ کر (لٹک گیا ہو تو یہ بھی) اس کے ساتھ جا گرا (۹۰/الف) اور حضرت جبیر بن مطعم کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیس منا من دعا الی عصبیة ولیس منا من قاتل عصبیة ولیس منا من مات علی عصبیة۔ (۹۰/ب)

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی دعوت دے اور وہ شخص بھی ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کی بنیاد پر جنگ کرے اور ہم میں سے وہ بھی نہیں ہے جو عصبیت کی حالت میں جان دے۔

ایک موقع پر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آدمی کا اپنی قوم کو عزیز و محبوب رکھنا عصبیت میں داخل ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لا ولکن من العصبیة ان ینصر الرجل قومه علی الظلم۔ (۹۰/ج)

نہیں! بلکہ عصبیت یہ ہے کہ آدمی ظلم کے معاملے میں اپنی قوم کا ساتھ دے۔

۱۰۔ مساعی تبلیغ میں غلو، بے جا طلب بحوالہ سنت الٰہیہ:

حضور رؤف ورحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کفار ومشرکین (مکہ) کو جس درجہ اخلاص وللٰہیت سے دعوت حق کی طرف بلا رہے تھے وہ اسی درجہ نفرت وعداوت میں آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے بلکہ تکذیب وتمسخر پر آمادہ رہتے تھے، چنانچہ بہ تقاضائے رافت ورحمت (توبہ ۱۲۹) اور بہ غایت شفقت واخلاص و محبت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعی پیہم کے باوجود مخاطبین کی سرد مہری باعث کلفت بھی (سورۃ الکہف، آیت ۷) اور باعث حزن وملال بھی (سورۂ انعام، آیت ۳۳) اس معاملے میں رب کریم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار ومشرکین کے رویے پر وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ (۹۱) آزردہ خاطر نہ ہونے کی تلقین کرتے ہوئے حرف تسلی عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ سنت الٰہیہ کی وضاحت فرما رہا ہے:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۝ (۹۲)

اور اگر اللہ چاہتا تو سب کے سب انسانوں کو ہدایت پر جمع کر دیتا، پس (تبلیغ و طلب ہدایت میں غلو فرما کر) جاہلوں (کی حوصلہ افزائی) میں شامل نہ ہوں۔

یہی مضمون ایک دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

مَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ یَجْھَلُوْنَO(۹۳)
وہ ایمان لانے والے نہ تھے الا یہ کہ مشیت الٰہی ہوتی، لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر ہٹ دھرم (یجھلون) تھے کہ (سب کچھ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے)۔

یہاں گو جہل بمقابلہ ایمان ہے اور ان کا ایمان نہ لانا مستلزم ہے کہ وہ مبتلائے جاہلیت ہیں، چنانچہ رفع جاہلیت ایمان سے ہی ممکن ہے، ایمان سے محرومی کا سبب انبیاء و رسل کی مساعی جمیلہ میں کمی یا عدم اخلاص نہیں بلکہ اس کا انحصار درحقیقت اللہ کی طرف سے توفیق ارزانی پر ہے، لہذا کفار و مشرکین کا ایمان لانا صرف داعیان حق کی خواہش و کوشش پر موقوف نہیں بلکہ اس کے لئے ان میں سے ہر شخص کا اپنا ذاتی میلان، اس کے اندر قبولیت حق کی استعداد اور سب سے بڑھ کر اللہ کی طرف سے توفیق ارزانی ہے فرمایا گیا: اِنَّکَ لَاتَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَاَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَO (۹۴) مشیت ایزدی سے اگرچہ یہ محال نہ تھا کہ ساری دنیا کو ایمان لانے پر مجبور کر دیا جاتا، لیکن یہ تکوینی مصالح اور سنت الٰہیہ کے خلاف ہے، اس لئے سنت و مشیت الٰہی کے حوالے سے تبلیغ میں غلو یا طلب میں حد سے گذرنا مطلوب نہیں، کیوں کہ جاہلوں کے ذہن میں یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے کہ شاید ان کے ایمان لانے کی بہت اہمیت ہے اور یہ داعیٔ حق کی اپنی اشد ضرورت ہے کہ وہ تلقین پیہم میں لگا ہوا ہے حالانکہ ہدایت تو ان جاہلوں کی اپنی ضرورت ہے۔

۱۱۔ بے جا حرص و طمع، رشک و حسد، بدخواہی بدنیتی:

انسانی رویے کے یہ خدوخال (حرص و ہوس، طمع رشک و حسد بدخواہی، بدنیتی، بدعملی وغیرہ) دراصل اپنی نوعیت میں جاہلانہ کردار کے غماز ہیں، چنانچہ قرآن میں حضرت یوسف اور ان کے برادرانِ بے مہر و وفا کا جو احسن القصص (۹۵) مذکور ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برادران یوسف کا رویہ ان کے رشک و حسد، حرص و طمع، اور ان کی بدعملی و بدنیتی کا آئینہ دار اور مستقبل سے بے خبری و جہالت کی دلیل تھا، چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں مقتدر حیثیت حاصل ہونے کے بعد اپنے دربار میں آنے والے بھائیوں کے سابقہ کردار کی تصویر صرف ایک جملے میں یوں کھینچ کے رکھ دی ہے،

ھَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ وَاَخِیْہِ اِذْ اَنْتُمْ جَاھِلُوْنَO (۹۶)
کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا۔ جب

کہ تم (مشیت ایزدی سے بالکل) بے خبر تھے۔

لیکن حضرت یوسف بذریعہ وحی ان کی منصوبہ بندی اور کرتوتوں سے پہلے ہی واقف تھے، وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ O (۹۷)

۱۲۔ نادانی، ناواقفیت، کم علمی، بے علمی:

نادانی، کم علمی یا بے علمی کے دو زاویے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ یہ نادانی اور کم علمی ارادتاً نہ ہو بلکہ بھول چوک سے ہو۔ یہ جہل قابل معافی ہے، اس جہل کا ادراک واحساس بندے کو توبہ وانابت الٰہی پر مائل کرتا ہے، جو اس کے درجات کی بلندی کا سبب بنتی ہے اور اسے قابل تحسین قرار دیا گیا چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔ (۹۸)

اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی لوگوں کے لئے ہے جو نادانی (جہالت) کی وجہ سے کوئی برا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظر عنایت سے بھرپور متوجہ ہوتا ہے۔

تقریباً یہی مضمون سورۂ انعام میں بھی وارد ہوا:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا ۢ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O (۹۹)

تمہارے رب نے رحم وکرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، پس اگر تم میں سے کوئی نادانی (جہالت) کے ساتھ کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کرلے تو وہ اسے معاف کر دیتا ہے اور نرمی سے کام لیتا ہے کہ وہ بلاشبہ معاف فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا:

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO (۱۰۰)

البتہ جن لوگوں نے جہالت کی بنا پر برا عمل کیا اور پھر توبہ کر کے اپنے عمل کی

اصلاح کرلی، تو یقیناً توبہ و اصلاح کے بعد تیرا رب ان کے لئے غفور اور حیم ہے۔

ایک دوسرے زاویے سے معصومانہ جہالت، نادانی، ناواقفیت ناسمجھی کی کیفیت وہ ہے جو محض سرسری مشاہدے پر مبنی ہوتی ہے اور حقیقت تک رسائی کو مشکل بنا دیتی ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔ (۱۰۱) ایسے غیور مگر حقیقی ضرورت مندوں کو جو دوسروں کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتے، ناواقفوں (جاہلوں) کی ظاہر بیں نگاہیں مستغنی سمجھ کر ان کے حق رسیدی سے محروم کر دیتی ہیں حالانکہ وہ اپنی تنگ دستی میں مدد و امداد کے سب سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں، ایسی ہی ناواقفیت، نادانی اور جہالت وہ تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و منصب اور فرائض و حیثیت کا ادراک واحساس نہ کرسکی، وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ ۔(۱۰۲) اور بے سمجھے بوجھے (جہالت سے) مخالفت و مخاصمت کو اختیار کرلیا۔ (۱۰۳) احساس و ادراکِ منصب سے محرومی اور ناواقفیت گویا آدمی کی سرشت اور فطرت کا حصہ رہی ہے۔ اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْماً جَهُوْلاً O (۱۰۴) جو شاید اس کی عجلت پسندی کا نتیجہ ہے۔ وَکَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلاً O (۱۰۵) ایسی ناواقفیت، لاعلمی جو سرسری مشاہدے پر یا مناسب تحقیق و جستجو کے بغیر ہو بعض اوقات ندامت و شرمندگی کا باعث ہوتی ہے۔ اس جہالت و نادانی سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ علم و خبر کی تحصیل معتبر ذرائع سے کی جائے اور مناسب حال تحقیق و تفتیش سے کام لیا جائے، حکم ہے: اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ ۢبِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْآ اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا ۢبِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَافَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَO (۱۰۶)

جاہلیت، اصطلاحی مفہوم:

وہ جاہلیت جس کو مٹانے کے لئے سید الکونین رسول الثقلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے وہ نہ لفظی ولغوی معنی میں تھی نہ تاریخی اور واقعاتی نظائر کے حوالے سے تھی، یہ وہ ''جاہلیت'' ہے جو اپنے خاص مفہوم میں بطور ایک اصطلاح قرآن و حدیث میں وارد ہے اور جسے اسلام کے بالمقابل استعمال کیا گیا ہے۔ گویا جاہلیت اس لحاظ سے نہ علم کے مقابل ہے نہ حلم کے بلکہ اسلام کے بالمقابل ہے۔

اس لئے اسلام اور جاہلیت ایک دوسرے کی ضد ہیں، چنانچہ جب تک اسلام نہ آیا تھا اس وقت تک (چاہے غیر مہذب کہلائے جانے والا) عرب ہو یا (متمدن مشہور ہونے والا) عجم، ہر جگہ

جاہلیت کا دور دورہ تھا اور جب اسلام آ گیا تو جاہلیت کو بہر قیمت رخصت ہونا پڑا۔ قرآن کی رو سے جہل و جہالت اور جاہلیت سرتا سر ظلمت و تاریکی ہے۔ جس کے چنگل سے نجات دلانے کے لئے اسلام، کتاب، رسول آیا۔ (۱۰۷) اسلام سرتا سر نور (۱۰۸) اور روشنی ہے۔ (۱۰۹) جس کو کفار و مشرکین اپنی پھونکوں (ہر قسم کی کوششوں) سے بجھانا چاہتے تھے۔ (۱۱۰) نیز جہل کا سرچشمہ قیاس، ظن، وہم و گمان، نفس و تیرگی ہے جب کہ اسلام کا سرچشمہ وحی، ایقان و ایمان، بے نفسی و سپردگی ہے، جہل خود ساختہ پرداختہ طرز عمل، کوتاہ بینی، لاعلمی، فرسودہ رسوم و رواج پر مبنی طریقۂ کار اور ذہنی کجی، منتشر الخیالی اور جادۂ حق سے ادھر ادھر بھٹکنے کا نام ہے۔ (۱۱۱) اسلام ایک طرز فکر نظریۂ حیات اور طریقۂ زندگی ہے۔ اللہ کا نازل کردہ و پسندیدہ دین و مذہب ہے (۱۱۲) جس کے دائرے میں داخل ہو کر آدمی صرف اللہ کی الوہیت و ربوبیت کو تسلیم کرتا ہے، صرف اسی کی حاکمیت و اقتدار اعلیٰ کو مانتا ہے، صرف اسی کے نازل کئے ہوئے قانون، اس کے بھیجے ہوئے رسول اور اس کی اتاری ہوئی ہدایت کے مطابق اطاعت و بندگی بجالاتا ہے، اور یہ حقیقت اوجھل ہونے نہیں دیتا کہ زندگی کی مہلت ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی اور پھر اسے مالک الملک کے سامنے حاضر ہو کر دنیوی زندگی کا حساب کتاب دینا ہوگا اسی حساب کتاب، فہمائش اور تصفیے پر اخروی انجام کا دارومدار ہوگا۔

اسلام کے سوا جو کچھ ہے وہ جاہلیت ہے۔ (۱۱۳) جاہلیت اسلام سے انحراف کی شکل، تصادم کی حالت اور ٹکراؤ کی کیفیت کا نام ہے۔ اس لئے اگرچہ تاریخی اعتبار سے اصل دورِ جاہلیت (ماقبل رسالت محمدی ﷺ ماقبل اسلام) تو ختم ہو چکا اور دوبارہ لوٹ کر نہیں آ سکتا (کیوں کہ دین حق کے غلبے و استحکام کے بعد) اسلام تا قیامت ضوفشاں رہے گا اب کوئی اور نبی، کوئی رسول، کوئی صحیفۂ آسمانی نازل نہیں ہو سکتا، کوئی شریعت نہیں آ سکتی، اسلام کی تعلیم و ہدایت ہر لحاظ سے کامل و اکمل ہے۔ اس میں کوئی کمی، کوئی کجی نہیں پائی جاتی، لہٰذا پھر سے دورِ جاہلیت کے طاری ہونے کا امکان تو باقی نہیں رہا مگر ہاں جزوی طور پر کیفیت جاہلیت یعنی اسلامی تعلیمات و احکام سے انحراف یا تصادم کی صورت کسی وقت بھی پیدا ہو سکتی ہے، چنانچہ جو شخص اسلام سے جس درجہ روگردانی کرے گا اس کی تعلیمات کو پامال کرے گا اس کے احکام کو پس پشت ڈال کر اپنی انا کا جھنڈا بلند کرے گا یا اتباع نفس و نفسانیت کرے گا وہ گویا اسی درجے میں جاہلیت سے دوچار ہوگا۔

یہ کیفیت و صورت جاہلیت مسلمان ہونے کے باوجود سرزد ہو سکتی ہے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک شخص کی والدہ پر طعن کئے جانے پر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی تھا۔

انک امرؤ فیک جاھلیة۔۔(۱۱۴)

تجھ میں تو (ابھی تک) جاہلیت (کی خوبو) پائی جاتی ہے۔

اسی طرح ایک موقع پر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کسی شخص سے جھگڑا کرتے ہوئے اس کی ماں کو گالی دے دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ تم میں ابھی تک جاہلیت موجود ہے۔ (۱۱۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے کہ

میری امت میں چار باتیں جاہلیت کی پائی جاتی ہیں جنہیں وہ ترک نہیں کر پائے۔ حسب ونسب پر فخر کرنا، اوروں کے نسب پر طعن کرنا، ستاروں سے بارش طلب کرنا، اور (مردوں پر) نوحہ کرنا۔ (۱۱۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

اذا کان احدکم صائماً فلا یرفث ولا یجھل۔(۱۱۷)

جب تم میں سے کوئی شخص روزہ رکھے تو وہ نہ کوئی نازیبا بات منہ سے نکالے نہ جہالت، دکھائے۔

یہ کیفیت وصورت جاہلیت اگر چہ اسلام کے نزدیک کسی حال میں مطلوب ومحمود نہیں تاہم بھول چوک سے، بلا ارادہ، حالات سے مجبور ہو کر کبھی طاری ہو جائے تو اس پر شرمسار ہونا، اس پر اظہار ندامت کرنا، اس پر اللہ سے معافی طلب کرنا اور اس کیفیت سے جلد نکل آنا سلامتی طبع کی دلیل اور ایمان کامل کی علامت ہے، سورۂ نساء کی اس آیت کا حوالہ پہلے آچکا ہے کہ:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔(۱۱۸)

اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق ان ہی لوگوں کو حاصل ہے جو جہالت ونادانی سے کوئی برا فعل کر گذرتے ہیں اور اس کے بعد جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں تو ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظر عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے۔

سورۂ انعام کی آیت کا حوالہ بھی پہلے گذر چکا ہے جس میں فرمایا گیا:

مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا ۢ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ ۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ O (۱۱۹)

اگر تم میں سے کوئی ''جہالت'' سے کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس سے توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو بیشک اللہ غفور الرحیم ہے۔

اور سورۃ النحل میں یہ ارشاد خداوندی ہے کہ جو پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ

لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّکَ مِنْ بَعْدِھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (۱۲۰)

جن لوگوں نے جہالت کی بنا پر برا عمل کیا اور پھر توبہ کر کے اپنے عمل کی اصلاح کر لی تو یقیناً (توبہ و اصلاح کے بعد) تیرا رب ان کے لئے غفور اور الرحیم ہے۔

لیکن ہاں اگر کوئی جان بوجھ کر جاہلیت کے کسی قول و فعل کی پیروی کرتا ہے تو یقیناً یہ ایک بہت بڑی جسارت ہے، ہٹ دھرمی اور دیدہ دلیری ہے، ایسا شخص اللہ کا بھی مجرم ہے اور قانون کا بھی، علاوہ ازیں جو شخص اپنے قول و فعل سے جاہلیت پر اصرار کر رہا ہے وہ گویا گردش ایام کو پیچھے لے جانا چاہتا ہے، اور پھر سے اسی دور جاہلیت کے فروغ کا متمنی ہے جس کے ہر نقش کہن کو مٹانے کے لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیائے شش جہات میں تشریف لائے تھے۔ ایسے لوگوں سے بہ زبان قرآن یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ:

اَفَحُکْمَ الْجَاھِلِیَّۃِ یَبْغُوْنَ۔ (۱۲۱)

کیا وہ پھر سے جاہلیت (میں ڈوب جانے کا) فیصلہ (کرنا) چاہتے ہیں۔

یہ نعمتِ اسلام کی ناقدری بھی ہے۔ (۱۲۲) اور اس احسان ربانی کی ناشکری بھی ہے، جو بعثت محمدی ﷺ کی شکل میں اہل ایمان پر کیا گیا۔ (۱۲۳) ایسا ناشکرا ناقدرا ہر لحاظ سے مستوجب سزا ہے۔

جاہلیت، اطلاقات:

اس حقیقت کے باوجود کہ جاہلیت ایک اصطلاح ہے جو اسلام کے بالمقابل ہے اور مخصوص مفہوم و اطلاق رکھتی ہے، یہ بھی امر واقعہ ہے کہ لفظی و لغوی معنی و مفہوم کی تمام رعایتیں بھی اس میں پائی جاتی ہیں۔ گویا اس لحاظ سے اصطلاح اور اصل لفظ کے معنی و مفہوم ایک دوسرے کے منافی نہیں۔ مثلاً جہل کا ایک معنی لاعلمی و ناواقفیت ہے تو یہ راہ حق سے لاعلمی، صراط مستقیم سے ناواقفیت اور شریعت و وحی سے بے خبری تھی، جہل سے اگر اکھڑ پن، ناشائستگی، بدتمیزی و بیہودگی نادانی و بے وقوفی یا ظلم و زیادتی مراد لی جائے

تو یہ عرب جاہلیت کے معاشرے کی بہت سچی تصویر کہی جاسکتی ہے۔ اور اس کی واقعاتی مثالیں جا بجا دیکھی جاسکتی ہیں، جہل کے دائرے میں حق ناشناسی، عصیان وطغیان اور فسق وفجور کو شامل کیا جائے تب بھی اہل عرب کے حالات اس اعتبار سے بھی اسم بامسمّٰی تھے۔

مختصر یہ کہ اسلام سے پہلے کے حالات وادوار جاہلیت بسیط کے آئینہ دار تھے۔ ان ادوارِ جاہلیت قرآن نے ضلال مبین (کھلی ضلالت وگمراہی) سے تعبیر کیا ہے یعنی باالفاظ دیگر وہ دور جاہلیت، دورِ ضلالت تھا جو آمد ختم المرسلین سے پہلے عرب میں طاری تھا۔ قرآن کا یہ ارشاد صریح ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍO (۱۲۴)

بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں پر احسان کیا ہے جبکہ ان میں سے ان ہی کی جنس سے ایک ایسے رسول کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان لوگوں کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور بالیقین یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

اور سورۂ جمعہ میں فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ق وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍO (۱۲۵)

وہی ہے جس نے (عرب کے) امیین (ناخواندہ لوگوں) کے درمیان ان ہی (کی قوم) میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور اُن کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ (آپ ﷺ کی بعثت سے) قبل کھلی گمراہی میں تھے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد مبارکہ سے قبل جو دور جاہلیت سرزمین عرب میں بالخصوص اور پوری دنیا میں بالعموم پایا جاتا تھا (تہذیب وتمدن، معاشرت ومذہب کے کلی یا جزوی فرق کے

باوجود) ضلالت وگمراہی (کی مختلف حالتوں) کونمایاں کررہا تھا، جب کہ اسلام نہ آیا تھا جب کہ لوگ دین حق سے نابلد، توحید سے ناآشنا تھے، وہ نہ جانتے تھے جوانہیں جاننا چاہئے تھا مَالَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ O (۱۲۶) زندگی گزارنے کا وہ صحیح طریقہ جو انبیاء و رسل بحکم الٰہی بتاتے اور دکھاتے ہیں اوجھل ہو چکا تھا۔ جب لوگ اصل پیغمبرانہ تعلیمات کوفراموش کر کے کفر وشرک میں مبتلا ہو گئے تھے اور صراطِ مستقیم سے بھٹک کر توہمات کی دلدل میں پھنس گئے تھے اور بہ استمد ادغیر اللہ اس سے نکلنے کی ہر کوشش انہیں اور نیچے دھنسا دیتی تھی، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا تھا کہ خشکی وتری ہر جگہ، ہر طرف، بگاڑ ہی بگاڑ، فساد ہی فساد جلوہ کناں تھا، کتاب الٰہی میں اس کا نقشہ کھینچا گیا، ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ ۔ (۱۲۷)

خلاصہ یہ کہ جو دورِ جاہلیت ہے وہی دور ضلالت ہے، اور جو دورِ ضلالت ہے وہی عہد فسادِ بحر و بر ہے اور وہی دراصل دورِ فترت ہے، دورِ فترت دو پیغمبروں کے درمیان کا زمانہ ہے۔ (۱۲۸) یہ دورِ فترت اگر چہ ساری دنیا میں طاری تھا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام پر بھی چھ سو سال گذر چکے تھے تاہم عرب میں یہ دور فترت بطور خاص حضرت اسماعیل علیہ السلام ابن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بعثت مبارکہ تک (تقریباً ڈھائی ہزار سال پر) محیط تھا۔ اس دور فترت میں عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات، سیاست، معیشت، معاشرت اور تمدن کا ہر شعبہ چونکہ محروم ہدایت ربانی اور زندگی کا ہر پہلو شریعت ناآشنا تھا اس لئے جاہلیت کا پھیلاؤ بھی ہمہ جہت ہمہ گیر تھا اور جاہلانہ قول وعمل کی نیرنگیاں بے حد و حساب تھیں اور حالات بے حد دگر گوں تھے، یہ بر سر غلط مفسدانہ جاہلانہ روش جو بالآخر انسانیت کو ذلت و ہلاکت سے دوچار کر دیتی ساتویں صدی عیسوی کے اوائل تک جاری رہی، یہاں تک کہ بعثت محمد سے سلسلۂ روز و شب کی چال تبدیل کر دی اور چار دانگ عالم کو سحر بہ دامان انقلاب اسلام کی نوید سنائی اور زمانہ پھر پھرا کر اپنے اصل محور پر آ گیا، (۱۲۹) چنانچہ خلاصہ یہ ہے:

جاہلیت/ دورِ جاہلیت = ضلالت = فساد بحر و بر، دور فترت، زمانہ ماقبل اسلام = زمانہ ماقبل بعثت نبوتِ رسالت محمدی ﷺ

مشہور نحوی ولغوی ابن خالویہ (م ۳۷۰) کے مطابق (جاہلیت کا لفظ، بعہد اسلام وجود میں آیا اور) اس سے بعثت نبوی سے پہلے کا زمانہ مراد لیا جاتا ہے۔ (۱۳۰) علامہ ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲) بخاری کی شرح میں کہتے ہیں کہ ''جاہلیت سے بالعموم یہی مراد لی جاتی ہے اور قرآن کی یہ آیت ان ہی معنوں کی حامل ہے۔ يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۔ (۱۳۱) پھر آگے مزید لکھتے ہیں کہ لفظ

جاہلیت کا اطلاق گذشتہ زمانے پر ہوتا ہے اور مراد ماقبل اسلام کا زمانہ لیا جاتا ہے اور اس کا آخری زمانہ فتح مکہ لیا جاتا ہے۔(۱۳۲)

عرب کے دور جاہلیت، دور فترت، عرب قبل اسلام کے حوالے سے مدت کے تعین میں اگرچہ کئی اقوال ہیں تاہم تاریخی طور پر یہ دور دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ایک جاہلیۃ الاولیٰ، جس میں عرب بائدہ، عاربہ اور مستعربہ کا قدیم زمانہ شامل ہے اور ظہور و بعثت نبوی ﷺ سے ڈیڑھ دو صدی قبل اس کا اختتام ہوا۔ جب کہ دوسرا حصہ جاہلیۃ الثانیہ کا ہے جو جاہلیۂ اولیٰ کے اختتام سے شروع ہو کر (۸ ہجری میں) فتح مکہ مکرمہ پر ختم ہوا۔(۱۳۳) جب کہ خاور حجاز سے نکلنے والا آفتاب رسالت اپنی رخشندگی میں نصف النہار پر تھا، جاہلیت کی تاریکیاں چھٹ چکی تھیں اور حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا تعمیر کردہ گھر بت خانے کے بجائے پھر سے بیت اللہ، مرکز جلال الٰہی اور نشر گاہِ توحید ربانی بن گیا۔

اسناد و حواشی، حوالہ جات

۱۔ ھی الحال التی کانت علیھا العرب قبل الاسلام من الجھل باللہ سبحانہ و رسولہ و شرائع الدین و المفاخرۃ بالانساب و الکبر و التجبر و غیر ذالک۔ (ابن منظور الافریقی المصری (م ۷۱۱ھ)/ لسان العرب/ نشر ادب الحوزۃ، قم، ایران، ۱۴۰۵ھ/ ج ۱۱، ص ۱۳۰۔

۲۔ عربی لغت کی عام کتابوں میں بھی یہ معنی و مفہوم پایا جاتا ہے، مثلاً دیکھئے: جھل (الجھل) ضد العلم (الرازی (م ۶۶۰ھ)/ مختار الصحاح/ مصطفیٰ البابی، مصر ۱۹۵۰ء/ ص ۱۳۱)۔ نیز جھل جَھِل جھلاً و جھالَۃ، ضد العلم۔ الحق، اضاعہ، جاھلیۃ، حالۃ الجھل۔ (لوئس معلوف، المنجد، (المطبعۃ الکاثولیکیہ) انتشارات اسماعیلیان/ تہران، ۱۹۸۰ء/ ص ۱۰۸)

۳۔ نسیم اللغات کے مطابق جاہل کے معنی ہیں ان پڑھ، بے علم، وحشی، اجڈ، بے ادب، گستاخ، نادان، جاہلیت، جاہل ہونا، نیز وہ زمانہ جو اسلام سے پہلے تھا۔ (مرتضیٰ حسین فاضل، نسیم امروہوی، آغا زمہر باقر (مرتبین)/ نسیم اللغات/ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۸۴ء/ ص ۳۳۱) جاہل، ان پڑھ نادان، جمع جہلا، جہال، اجہال (خویشگی، محمد عبداللہ خان/ فرہنگ عامرہ/ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۹۸ء/ ص ۱۸۵)

۴۔ جہالت و جاہلیت کے مختلف دائروں میں (اصنام و اوثان، اعتقادات، توہمات اور معاشرتی معاشی اور اخلاقی صفات و خصوصیات کی) تفصیل اگرچہ مولانا شبلی نے سیرت النبی/ دینی کتب خانہ، لاہور ۱۹۷۵ء/ ج ۱،) میں متفرق عنوانات عرب کے اقوام و قبائل، تہذیب و تمدن، مذاہب وغیرہ کے تحت (ص ۱۲۶،

ماقبل و مابعد) بیان کر دی ہے تاہم یہ تفصیلات زیادہ منقح اور مفصل طور پر مولانا سید سلیمان ندویؒ نے سیرت النبی جلد چہارم میں شب ظلمت کے عنوان سے (ص ۱۹۹،۲۸۲) بیان کی ہیں۔

۵۔ دیکھئے مدو جزر اسلام مسمّٰی بہ مسدس حالی جدید ایڈیشن/فضلی سنز، کراچی ۱۹۹۹ء/ص ۵۳، ۵۷۔ خصوصاً

تمدن کا اس پر پڑا تھا نہ سایہ — ترقی کا تھا واں قدم تک نہ آیا
نہ سبزہ تھا صحرا میں پیدا نہ پانی — فقط آب باراں پہ تھی زندگانی
نہ واں مصر کی روشنی جلوہ گر تھی — نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی
وہی اپنی فطرت پر طبع بشر تھی — خدا کی زمین بن جتی سربسر تھی
پہاڑ اور صحرا میں ڈیرا تھا سب کا — تلے آسمان کے بسیرا تھا سب کا
چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ — ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ — نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے — درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

۶۔ شبلی/سیرت النبی/ ج ۱،ص ۱۲۶

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً/ص ۱۲۸

۹۔ ایضاً/ص ۱۲۸، ۱۲۹

۱۰۔ دیکھئے: اصح السیر/نور محمد، کارخانہ تجارت کتب/کراچی، (مقدمہ/ص ۴۳، ۴۴)

۱۱۔ مولانا عبیداللہ قدسی/رحمۃ للعالمین/کراچی ۱۹۷۹ء/ص ۱۵۔ (بحوالہ جواد علی/تاریخ عرب قبل السلام/ص ۸

۱۲۔ پروفیسر فلپ کے حتی، عرب اور اسلام (ترجمہ) سید مبارز الدین رفعت و محمد معین خاں (حتی کی مشہور و معروف انگریزی کتاب ہسٹری آف دی عرب کے خلاصے کا مکمل ترجمہ)۔ ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۳۷۹ھ، ۱۹۵۹ء/ص ۲۸۔ نیز ملاحظہ ہو، ہسٹری دی عربس/میکملن اینڈ کمپنی، لندن ۱۹۳۷ء/ص ۸۷

۱۳۔ ابن فارس (م ۳۹۵ھ)/معجم مقائیس اللغۃ/ دار احیاء الکتب العربیہ، عیسی البابی الحلبی و شرکاہ، قاہرہ، طبع اول ۱۳۶۶ھ/ ج ۱،ص ۴۸۹

۱۴۔ مثلاً جھلّہ (جہل کی نسبت کرنا) جَاھَلَہٗ (نادانی میں مقابلہ کرنا) تَجَاھَلَ (بتکلف نادانی کا ظاہر کرنا) اِستَجھَلَہٗ (جاہل سمجھنا، حقیر سمجھنا) اَلْجَھَلَۃ (نادانی) الجھول (ناتجربہ کار، ج، جُھَلاءِ) اَلْمِجْھَلُ و المِجْھَلَۃ (انگارے ہلانے ہٹانے کی لکڑی، کریلنی) اَلْمَجْھَلَۃَ (سبب نادانی) اَلْمَجْھَلُ (بغیر نشان کا جنگل، ج مجاھل) اَلْمَجَاھِلِ (نادانیاں) التجھیل مجھولۃ وغیرہ وغیرہ

۱۵۔ ابن فارس/ ج ۱،ص ۴۸۹

۱۶۔ ابن درید (م ۳۲۱ھ)/کتاب جمہرۃ اللغۃ/ دائرۃ المعارف عثمانیہ، دکن ۱۳۴۵ھ/ ج ۲،ص ۱۱۴

۱۷۔ ابن منظور الافریقی/لسان العرب/ج ۱۱،ص ۱۲۹

۱۸۔ ایضاً

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۷۳

۲۲۔ ابن منظور الافریقی/ج ۱۱،ص ۱۳۰

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ قال شمر والمعروف فی کلام العرب جهلت الشیء اذا لم تعرفه (ایضاً/ص ۱۲۹)

۲۸۔ ابن فارس/ج ۱،ص ۴۸۹

۲۹۔ ابن درید/ج ۲،ص ۱۱۴

۳۰۔ ایضاً، ابن درید نے اپنی کتاب جمہرۃ اللغۃ میں ایک اور جگہ الجهل و الجهلة کے سلسلے میں لکھا ہے کہ یہ وہ لکڑی ہے جس سے انگاروں کو حرکت دی جاتی ہے، یہ یمنی زبان کا لفظ ہے اور اسے مجهل بھی کہا جاتا ہے/ ج ۳،ص ۳۵۷) جهیل، اسم ماخوذ من الجهالة/ ایضاً / ج ۳،ص ۳۵۶

۳۱۔ ایضاً / ج ۲،ص ۱۱۴

۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ ابن منظور الافریقی / ج ۱۱،ص ۱۲۹

۳۴۔ ایضاً /ص ۱۳۰

۳۵۔ اس حقیقت کا مشاہدہ اگرچہ مختلف سطح پر عام لوگوں میں بھی کیا جاسکتا ہے، تاہم یہ امر انبیاء و رسل علیہم السلام کے حوالے سے خاص طور پر قابل ذکر ہے جو انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے تشریف لاتے ہیں اور نوشت و خواند کی رسمی تعلیم نہ پانے کے باوجود، بہ فیضان الٰہی اس علم کلی سے بہرہ ور ہوتے ہیں جو تبلیغ و ہدایت کے لئے کافی ہوتی ہے بالخصوص ہمارے ہادی اعظم خاتم الانبیاء، سید الرسل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تلمیذ الرحمٰن بن کر (الرحمٰن، آیت ۱) علم احاطہ سے بہرہ مند (النساء، آیت ۱۱۳) معلم اعظم کی حیثیت (انما انا بعثت معلما) سے ممتاز و ممیز ہو کر تمام جہانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آئے (للعالمین نذیرا، فرقان، آیت ۱۔ سبا، آیت ۲۸۔ الحج ۲۹) حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسمی تعلیم یا اشیائے نوشت و خواند کے کبھی محتاج نہیں ہوئے (العنکبوت، آیت ۴۸) اور آپ ﷺ کے سر افتخار پر

''النبی الامی'' کا روشن تاج جگمگا رہا ہے۔ (الاعراف، آیت ۱۵۷، ۱۵۸)

۳۶۔ ان امور کی بہت کچھ وضاحت سورۂ جمعہ کی پانچویں آیت سے ہو جاتی ہے جس میں بعثت نبوی ﷺ کے حوالے سے امیوں کی قوم میں علم کے دعویداروں کا حال اس طرح بیان کیا گیا، مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَاراً۔ (سورۃ الجمعہ، آیت ۵)

۳۷۔ حدیث ان من العلم جہلا نقل کر کے صاحب لسان العرب نے وضاحت کی ہے کہ جیسے بعض علوم کی تحصیل (جواز روئے شریعت) غیر ضروری ہیں اور جن کے حاصل کرنے کی حاجت نہیں، مثلاً علم النجوم (اور آدمی کو ان چیزوں کو چھوڑ دینا چاہئے) لیکن ان علوم کو حاصل کرنا چاہئے، جو ضروریات دین میں سے ہیں مثلاً قرآن و سنت کا علم۔ (ابن منظور الافریقی/ ج ۱۱، ص ۱۳۰)

۳۸۔ ایضاً۔ نیز دیکھئے: وحید الزماں/ لغات الحدیث/ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی/ ج ۱، ص ۱۴۰۔

۳۹۔ نوشت و خواند کے معاملے میں عرب کے عام باشندوں کی حالت اس زمانے کے مشہور و متمدن ممالک (ایران، روم، مصر وغیرہ) سے بہتر نہ تھی تو بدتر بھی نہ تھی۔ (ملاحظہ ہو، گیلانی، مولانا مناظر احسن/ تدوین حدیث/ کراچی ۱۹۵۶ء/ ص ۲۲۴۔ نیز دیکھئے نثار احمد/ نقش سیرت کراچی ۱۹۶۸ء/ ص ۲۵۶، ۲۶۶)

۴۰۔ آلوسی، محمود شکری/ بلوغ الادب فی احوال العرب/ مطبعہ دار السلام، بغداد/ ج ۱، ص ۳۰، (اس کی تفصیل آلوسی کی کتاب بلوغ الارب کے باب فصل جنس العرب و ما امتازوا به کے تحت دیکھی جا سکتی ہے)

۴۱۔ لوبس معلوف/ المنجد فی اللغۃ/ ص ۱۵۰۔ الدکتور عمر فروخ نے تاکیداً لکھا ہے: نــدرک أن الجاهلية مشتقة من الجهل الذی هو ضدا الحلم لامن ''الجهل الذی هو ضدا العلم۔ (الدکتور عمر فروخ/ تاریخ الجاہلیۃ/ دار العلوم للملایین، بیروت ۱۹۸۴ء/ ص ۵۳

۴۲۔ لوبس معلوف/ ص ۱۵۰

۴۳۔ آلوسی/ ج ۱، ص ۱۰۲، ۱۰۱

۴۴۔ ایضاً/ ص ۱۰۲

۴۴/ الف۔ سورۃ الطّور، آیت ۳۲

۴۵۔ ایضاً

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ ابن عبد ربہ/ العقد الفرید/ دار الکتب العربی، بیروت ۱۹۸۳ء، ۱۴۰۳ھ/ ج ۳، ص ۱۹/ کتاب الیاقوت فی العلم والادب

۴۸۔ ایضاً/ ص ۱۷، آلوسی نے اس شعر کی توضیح میں لکھا ہے کہ و استعمال هذا اللفظ بهذا المعنی کثیر۔ (آلوسی/ ج ۱، ص ۱۷)

۴۹۔ ابن عبد ربہ/ ج ۳، ص ۱۰۳ (قال خلف بن خليفة مولى قيس بن ثعلبة)

۵۰۔ سورۂ یونس، آیت ۳۲

ش ۵۱۔ سورۂ ہود، آیت ۲۹

۵۲۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۹۹

۵۳۔ سورۂ احقاف، آیت ۲۳

۵۴۔ امام راغب اصفہانی/ مفردات القرآن (اردو ترجمہ) الاستاذ محمد عبدہ الفلاح الفیر وز پوری/ المکتبۃ القاسمیہ، لاہور، ۱۹۶۳ء/ص ۵۴۷۔قرآن سورۂ بقرہ، آیت ۱۶، میں ضلالت ہدایت کے مقابل آیا ہے۔

۵۵۔ ایضاً

۵۵/ الف۔ سورۂ یونس، آیت ۳۶

۵۶۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۵۴

۵۷۔ امام راغب/مفرادت/ص ۵۸۵

۵۸۔ سورۂ یونس، آیت ۳۶

۵۹۔ سورۂ یونس، آیت ۳۴، ۳۶

۶۰۔ سورۂ انعام، آیت ۱۱۶

۶۱۔ سورۂ انعام، آیت ۱۴۸

۶۲۔ سورۃ النجم، آیت ۲۷، ۲۸

۶۳۔ سورۃ النجم، آیت ۱۹، تا ۲۳

۶۴۔ عہد جاہلیت میں پائے جانے والے اصنام واوثان، مشرکانہ مذاہب، توہمات وخرافات وغیرہ کی تفصیلات تاریخ وسیر کی تمام کتابوں میں ہرجگہ پائی جاتی ہیں، اردو میں بھی مولانا شبلی کی سیرت النبی/ ج ۱، اور مولانا سید سلیمان ندوی/ سیرت النبی/ ج ۴، اور دیگر مولفین کے یہاں موجود ہین، تاہم اردو میں بطور خاص ایک کتاب، مولانا نجم الدین سیوہاروی/ رسوم جاہلیت/ مکتبۂ رشیدیہ، لاہور ۱۹۷۷ء/ مفید مطلب ہے۔

۶۵۔ سورۃ الفرقان، آیت ۶۳

۶۶۔ سورۃ القصص، آیت ۵۵

۶۷۔ سورۃ الاعراف، آیت ۱۹۹

۶۸۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۳۸

۶۹۔ ایضاً

۷۰۔ سورۃ الزمر، آیت ۶۴

۷۱۔ سورۂ یوسف، آیت ۳۳

۷۲۔ سورۂ یوسف، آیت ۵۲

۷۳۔ سورۂ نمل، آیت ۵۵۔ ایک مفسر کے بقول ''جہالت'' کا لفظ یہاں حماقت اور سفاہت کے معنی میں آیا ہے، وہ مزید لکھتے ہیں، اردو زبان میں بھی ہم گالم گلوچ اور بیہودہ حرکات کرنے والے کو کہتے ہیں کہ وہ ''جہالت'' پر اتر آیا ہے، اگر اس لفظ کو بے علمی کے معنی میں لیا جائے تو مطلب ہوگا کہ اپنی حرکات کے برے انجام کو نہیں جانتے، یعنی یہ نہیں معلوم کہ اس انتہائی مجرمانہ گھناونی لذت چشی کا کیا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ (مودودی، مولانا سید ابوالاعلی/تفہیم القرآن/مرکزی مکتب الاسلامی، ہند/ ج ۳، ص ۵۸۷)

۷۴۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۶۸

۷۵۔ سورۂ نور، آیت ۲۱

۷۶۔ سورۃ الاحزاب، آیت ۳۳، تبرج الجاہلیۃ کے ترجے تفصیل اور مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو۔ مودودی، تفہیم القرآن مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۱۹۶۶ء۔

۷۷۔ سورۂ نور، آیت ۱۹

۷۷/ الف۔ بخاری و مسلم

۷۷/ ب۔ سورۃ المائدہ، آیت ۵۰

۷۸۔ سورۂ بقرہ، آیت ۶۷

۷۹۔ ایضاً

۸۰۔ امام راغب/ص ۱۹۴

۸۱۔ ایضاً

۸۲۔ سورۂ انعام، آیت ۱۱۱

۸۳۔ سورۂ انعام، آیت ۴۔ نیز دیکھئے آیات ۲۵، ۳۵، ۳۷۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، سورۃ الاعراف، آیت ۱۴۶، سورۂ یٰسین، آیت ۴۶، سورۃ الصافات، آیت ۱۴، وغیرہ وغیرہ

۸۴۔ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ سورۂ یوسف، آیت ۸۔ عصبیت وحمیت کی قوت واستعداد کے بارے میں علامہ ابن خلدون نے اپنے مشہور عالم مقدمے میں بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور ایک باقاعدہ نظریہ وفلسفۂ عصبیت پیش کر کے معاشرتی وسیاسی زندگی میں اس کی کارفرمائی کا متعدد فصلوں میں جائزہ لیا ہے، خصوصاً بدوی اور حضری طرز زندگی کے حوالے سے بحث۔ علامہ نے ساتویں فصل میں سورۂ یوسف کی اسی آیت ۸ سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے، والمعنی انہ لایتوھم العدوان علی احد مع وجود العصبۃ۔ (ص ۱۲۸) مطلب یہ ہے کہ کسی جتھے، عصبیت وحمیت کی موجودگی میں کسی پر ظلم وعدوان کا تصور نہیں کیا جا سکتا، آگے مزید تشریح کرتے ہوئے علامہ لکھتے ہیں کہ اتحاد نسبی اور نسلی یگانگت بھی رفع ظلم کے لئے بہت ضروری ہے، کیوں کہ ایسی صورت میں اگر لڑائی بھڑک اٹھتی ہے اور پورے خاندان کی لاج خطرے میں ہوتی ہے تو ہر فرد شمشیر بکف ذلت وخواری سے اپنی جان کو نجات دلاتا ہے، اور اس کے لئے

جان تک پر کھیلنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے، (ملاحظہ ہو، العلامہ ابن خلدون/ مقدمہ/ المکتبۃ التجاریۃ، قاہرہ/ ص ۱۲۸) لیکن ہمارے ہاں مضمون زیر بحث میں ابن خلدون کا نظریہ عصبیت غیر متعلق چیز ہے۔

۸۵۔ سورۂ یوسف، آیت ۸

۸۶۔ سورۂ یوسف، آیت ۱۴

۸۷۔ سورۂ ایضاً، آیت ۱۶، ۱۸

۸۸۔ سورۃ الفتح، آیت ۲۶

۸۹۔ آلوسی/ بلوغ الادب/ ج ۱، ص ۱۶

۹۰۔ ملاحظہ ہو، مودودی/ تفہیم القرآن/ ج ۴، ص ۹۱

۹۰/ الف۔ ابوداؤد عن ابن مسعود

۹۰/ ب۔ ابوداؤد

۹۰/ ج۔ مشکوٰۃ

۹۰/ د۔ سورۂ توبہ، آیت ۱۲۹

۹۱۔ سورۂ انعام، آیت ۳۵

۹۲۔ ایضاً

۹۳۔ سورۂ انعام، آیت ۱۱۱

۹۴۔ سورۂ قصص، آیت ۵۶

۹۵۔ سورۂ یوسف، آیت ۳

۹۶۔ سورۂ یوسف، آیت ۸۹

۹۷۔ سورۂ یوسف، آیت ۱۵

۹۸۔ سورۃ النساء، آیت ۱۷

۹۹۔ سورۂ انعام، آیت ۵۴

۱۰۰۔ سورۃ النحل، آیت ۱۱۹

۱۰۱۔ سورۃ البقرہ، آیت ۲۷۳

۱۰۲۔ سورۂ ہود، آیت ۲۷

۱۰۳۔ سورۂ ہود، آیت ۲۹۔ نیز سورۂ احقاف، آیت ۳۳، مزید، سورۂ ہود، آیت ۴۶

۱۰۴۔ سورۂ احزاب، آیت ۷۲

۱۰۵۔ سورۃ الاسراء، آیت ۱۱۔ سورۂ انبیاء میں ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ، آیت ۳۷)

۱۰۶۔ سورۂ حجرات، آیت ۶

۱۰۷۔ سورۃ المائدہ، آیت ۱۶۔ سورۂ ابراہیم، آیت ۵۔ سورۂ حدید، آیت ۹۔ سورۂ طلاق، آیت ۱۱

۱۰۸۔ سورۂ زمر، آیت ۲۲

۱۰۹۔ سورۃ المائدہ، آیت ۱۵

۱۱۰۔ سورۂ توبہ، آیت ۳۲

۱۱۱۔ امام راغب کے نزدیک جاہلیت تین قسم پر ہے، ایک یہ کہ انسان کے ذہن کا علم سے خالی ہونا، دوسرے یہ کہ کسی چیز کے متعلق اس کی صحیح کیفیت کے خلاف اعتقاد رکھنا اور تیسرے یہ کہ کسی کام کو جس طرح کرنا چاہئے اس کے خلاف کرنا۔ اہل لغت کے ہاں **استجھلت الریح الغصن** (تیز ہوا کا ٹہنی کو اس طرح زور زور سے ہلانا گویا وہ اسے جہالت پر مجبور کر رہی ہے) کا استعارہ ظاہر کر رہا ہے کہ جاہلیت کی روح اور ضمیر میں حق سے گریز اور بے راہ روی اور اعتدال سے تجاوز داخل ہے، اس لئے قول و عمل کی وہ تمام صورتیں (بے قاعدگیاں) جن میں یہ خصوصیات موجود ہوں جاہلیت میں ہی شمار کے قابل ہیں۔

۱۱۲۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۹ نیز ۸۵، سورۃ المائدہ، آیت ۳

۱۱۳۔ مولانا مودودی رقم طراز ہیں کہ ''جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے، اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے، کیوں کہ اس کی طرف خدا نے رہنمائی کی ہے وہ تمام حقائق کا علم رکھتا ہے، اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے، عرب کے زمانۂ قبل اسلام کو جاہلیت کا دور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانے میں علم کے بغیر محض وہم یا قیاس و گمان یا خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لئے زندگی کے طریقے مقرر کر لئے تھے، یہ طرز عمل جہاں جس دور میں بھی انسان اختیار کریں اسے بہرحال جاہلیت کا ہی طرز عمل کہا جائے گا (تفہیم القرآن/ ج ۱، ص ۴۷۹) سورۂ احزاب کی آیت ۳۳ کے تحت مولانا مودودی نے جاہلیت کی تعریف یہ کی ہے کہ ''جاہلیت سے مراد اسلام کی اصطلاح میں ہر وہ طرز عمل ہے جو اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی اخلاق و آداب اور اسلامی ذہنیت کے خلاف ہو۔ (تفہیم القرآن/ ج ۴، ص ۹۱)

۱۱۴۔ آلوسی/ ج ۱، ص ۱۶

۱۱۵۔ مودودی/ تفہیم القرآن/ ج ۴، ص ۹۱

۱۱۶۔ ایضاً

۱۱۷۔ آلوسی/ ج ۱، ص ۱۷

۱۱۸۔ سورۃ النساء، آیت ۱۷

۱۱۹۔ سورۂ انعام، آیت ۵۴

۱۲۰۔ سورۃ النحل، آیت ۱۱۹

۱۲۱۔ سورۃ المائدہ، آیت ۵۰

۱۲۲۔ سورۃ المائدہ، آیت ۳

۱۲۳۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۶۴

۱۲۴۔ ایضاً

۱۲۵۔ سورۃ الجمعہ، آیت ۲

۱۲۶۔ سورۃ البقرہ، آیت ۱۵۱

۱۲۷۔ سورۃ الروم، آیت ۴۱

۱۲۸۔ آلوسی نے لکھا ہے: بعض کہتے ہیں کہ جاہلیت کا زمانہ فترت کا زمانہ ہے یعنی وہ زمانہ جو دو رسولوں کے درمیان تھا، کبھی اس کا اطلاق مطلق زمانہ کفر پر ہوتا ہے کبھی فتح (مکہ) سے پہلے کے زمانے پر اور کبھی اس زمانے پر جو ولادت نبوی ﷺ اور بعثت کے درمیان ہے۔ (بلوغ الارب، ج ا ص ۲۹)

۱۲۹۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع کے دوران یہ حتمی اعلان فرما دیا تھا کہ:

الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السماوات والارض، (ابی العباس زین الدین احمد بن احمد بن عبداللطیف الشرجی الزبیدی الشھیر بالحسین بن المبارک التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح / دار الاشاد، بیروت / ص ۹۱

۱۳۰۔ آلوسی / ج ا، ص ۲۹

۱۳۱۔ ایضاً

۱۳۲۔ ایضاً / ص ۳۰۔ الجاھلیۃ ھی الزمن الذی ھو قبل الدعوۃ الاسلامیۃ او قبل الھجرۃ علی الاصح۔ (الدکتور عمر فروخ / ص ۵۲)

۱۳۳۔ نثار احمد / نقشِ سیرت / کراچی، ۱۹۶۸ء / ص ۸۲، ۱۹۸۱ء

عقائد مسلمین و مشرکین

تالیف: امام فخر الدین رازی

ترجمہ و حواشی: پروفیسر علی محسن صدیقی

مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے تعارف پر مشتمل مختصر مگر نہایت جامع کتاب

صفحات: 128　قیمت: 120

فضلی بک سپر مارکیٹ

اردو بازار، کراچی، فون: ۲۲۱۲۹۹۱